بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سفرِ حج

سید جلال الدین عمری

اللہ تعالیٰ نے چار سال قبل ۱۹۹۳ء میں حج کی سعادت سے نوازا تھا۔ اس کے بعد ہی سے میری اہلیہ بھی اس خواہش اور تمنا کا اظہار کرنے لگیں کہ وہ بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہونا چاہتی ہیں۔ ادھر ان پر حج فرض بھی ہوگیا تو ان کا اصرار بڑھنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سال ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ میں اس کی صورت پیدا فرمائی۔

حج کی فرضیت اور فضیلت

حج کی سعادت بہت بڑی سعادت ہے ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک جامع عبادت ہے، اس میں نماز ہے، ذکر و فکر ہے، تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل ہے۔ طواف اور سعی ہے، خدا کی راہ میں تگ و دو اور قربانی ہے۔ اس میں جسمانی محنت و مشقت کے ساتھ انفاق مال بھی ہے۔ یہ مجموعہ ہے بہت سی عبادات کا۔ بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا: جهادکن الحج (تم عورتوں کا جہاد حج ہے) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: نعم الجهاد الحج (تمہارے لیے بہترین جہاد حج ہے) (بخاری، کتاب الجہاد، باب جہاد النساء)

ایک مسلمان جو عاقل و بالغ ہے۔ آزاد ہے، تندرست ہے۔ زاد و راحلہ اور مصارفِ سفر برداشت کرسکتا ہے۔ عورت کے ساتھ محرم بھی ہے تو حج فرض ہو جاتا ہے۔ اس میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران: ۹۷)	لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

حج میں جن حدود و آداب کا خیال رکھنا چاہیے انھیں قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ	حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں جو شخص
فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ	ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے
فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا	خبردار رہنا چاہئے کہ حج کے دوران میں اس
جِدَالَ فِي الْحَجِّ ، وَمَا	سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، کوئی
تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ	لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو اور جو
اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ	نیک کام تم کروگے وہ اللہ کے علم میں
الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ	ہوگا۔ سفر حج کے لیے زاد راہ ساتھ لیتے
يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ	جاؤ اور سب سے بہتر زاد راہ پرہیزگاری
(البقرہ - ۱۹۷)	ہے پس اے ہوش مند و میری نافرمانی سے بچو۔

حج کی فضیلت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنیے۔ ایک مومن کا دل آخرت کی کامیابی کے تصور سے خالی نہیں ہو سکتا۔ جنت اس کا مطلوب و مقصود ہے۔ آپؐ نے حج مبرور کی جزا جنت قرار دی ہے۔ حج مبرور وہ حج ہے جس میں پورے اخلاص کے ساتھ اس کے احکام انجام دیے جائیں وہ خدا کے ہاں مقبول ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینھما	ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کی
والحج المبرور لیس له جزاء الا	کوتاہیوں کے لیے کفارہ بن
الجنۃ (بخاری کتاب العمرۃ، باب وجوب	جاتا ہے اور حج مبرور کی جزا بس
العمرۃ وفضلھا مسلم، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرۃ)	جنت ہے۔

ایک اور روایت سنئے:

من حج ھذا البیت	جس نے اس گھر کا حج کیا۔ جنسی تعلق
فلم یرفث ولم یفسق رجع کما	اور گندی باتوں سے بچا رہا فسق و
ولدته امه۔	فجور سے اجتناب کیا تو اس طرح
(بخاری کتاب المحصر، باب قول اللہ تعالیٰ فلا	(گناہوں سے پاک وصاف ہو کر لوٹے گا

رفث۔ مسلم کتاب الحج باب فضل الحج والعمرۃ) جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

حج کا تعلق حضرت ابراہیم سے

حج کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مقدسہ کے بعض اہم واقعات سے ہے۔ حضرت ابراہیم کا اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے امتحان لیا اور وہ سخت آزمائشوں میں ڈالے گئے۔ جب وہ ان سب سے کامیاب گزر گئے تو دنیا کی امامت انھیں عطا کی گئی۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ	یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب
بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ	نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب
جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا، قَالَ	میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا میں تجھے
وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ، قَالَ لَا یَنَالُ	سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں
عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ	ابراہیم نے عرض کیا اور کیا میری اولاد سے
(البقرہ: ۱۲۴)	بھی یہی وعدہ ہے اس نے جواب دیا
	"میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے"

اسی طرح کے ایک امتحان سے گزار کر حضرت ابراہیم کے ہاتھوں خانۂ کعبہ کی تعمیر ہوئی۔ وہ اہلِ ایمان کی عبادات کا مرکز بنا اور اس کے حج و زیارت کا حکم دیا گیا۔ حج کی تاریخ حضرت ابراہیم کی تاریخ سے جڑی ہوئی ہے۔ اس تاریخ کا ہر ورق اللہ کی محبت اور اس کی بندگی اور اطاعت اور تسلیم و رضا کے قلم سے لکھا گیا ہے۔

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کا مکہ میں آباد ہونا

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا کہ مکہ کی سرزمین توحید کا مرکز بنے، وہاں اس کا گھر تعمیر ہو اور وہ اس کے ماننے والوں کا قبلہ و کعبہ قرار پائے۔ مکہ سلسلۂ کوہ سے گھرا ہوا بے آب و گیاہ قطعۂ زمین تھا۔ یہ ایک وادی غیر ذی زرع تھی جہاں کسی ذی روح کی زندگی کا کوئی سامان نہ تھا، جہاں انسان کیا، جانوروں اور پرندوں کا بھی شاید گزر نہ ہوتا تھا۔ اسے آباد کرنے کے لیے باہر سے کسی قوم اور قبیلہ کو لاکر بسایا نہیں گیا بلکہ حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ وہ اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنی اکلوتی اولاد (حضرت اسماعیل) کو جو ابھی ماں کی گود میں پرورش پا رہے

تھے، جنھوں نے شیرخوارگی کا مرحلہ ابھی طے نہیں کیا تھا۔ یہاں چھوڑ آئیں۔ اس حکم کی تعمیل کتنی دشوار رہی ہوگی۔ لیکن معاملہ حضرت ابراہیم کا تھا وہاں ہر محبت پر خدا کی محبت غالب آچکی تھی۔

حضرت ابراہیم ایک لمبا سفر طے کر کے شام سے اس وادی غیر ذی زرع میں پہنچے اور ایک سایہ دار جنگلی پیڑ کے نیچے چہیتی بیوی اور معصوم بچے کو پہنچا دیا۔ کچھ کھجوریں اور پانی کی ایک چھاگل بیوی کے حوالے کی اور شام کی طرف واپس ہونے لگے۔ بیوی نے پوچھا کہ اس لق و دق بے آب و گیاہ میدان میں اور ان پہاڑوں کے درمیان کہاں چھوڑے جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی انسان نظر آرہا ہے اور نہ کھانے پینے اور رہائش کا کوئی نظم ہے۔ حضرت ابراہیم پر سکوت طاری رہا۔ شاید فرطِ جذبات سے زبان آمادۂ سخن نہ رہی ہو۔ بیوی نے پھر پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے؟ جواب ملا: ہاں۔ اس پر اس اللہ کی بندی نے جو حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور حضرت اسماعیلؑ کی ماں تھی سرِ تسلیم خم کر دیا اور کہا اللہ تعالیٰ کے فرمان پر آپ نے قدم اٹھایا ہے تو وہ ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہمیں ہلاک نہ ہونے دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع انھیں ہلاک ہونے نہ دیا اور ایسی حیاتِ دوام بخشی جس پر ہزاروں لاکھوں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ واپس ہوتے ہوئے کچھ دور نکل آئے۔ بیوی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ ننھی اور معصوم اولاد نامعلوم ماں کی گود میں ناز و ادا دکھا رہی تھی یا فرشِ زمین کو اپنے وجود سے رونق بخش رہی تھی۔ قریب کی ایک پہاڑی سے پلٹ کر دیکھا۔ جذبات ابل پڑے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اور اللہ کا بندہ اللہ ہی سے عرض کرتا ہے:

رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ	پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ
بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ	وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو
بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ، رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا	تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔
الصَّلٰوۃَ، فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً	پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے
مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ	کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو
وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ	لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور
لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۔	انھیں کھانے کو پھل دے۔ شاید کہ یہ
(ابراہیم: ۳۷)	شکر گزار بنیں۔

یہ دعا ہو سکتا ہے اس وقت بھی کی ہو اور خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد بھی کی ہو۔ حضرت ابراہیم کا یہ اقدام خدا کے حکم اور فیصلے کے تحت ہوا تھا۔ کسی دوسرے فرد بشر کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو اس طرح بے یار و مددگار کسی جنگل و بیابان کی نذر کر دے اور موت کے منہ میں انھیں دھکیل دے۔ ورنہ وہ ان کی ہلاکت کا ذمہ دار اور سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

حضرت ابراہیمؑ بیوی اور بچے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے روانہ ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ کو بھوک لگتی تو چند کھجوریں کھا لیتیں اور جو پانی تھا اس سے پیاس بجھا لیتیں اور حضرت اسماعیل بھوک پیاس سے رونے لگتے تو انھیں اپنا دودھ پلا دیتیں اور انھیں زندہ رکھنے کی کوشش کرتیں۔ ہاجرہ کی غذا کا توشہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ دودھ بھی خشک ہونے لگا حضرت اسماعیلؑ بھوک سے بے تاب ہونے لگے۔ ماں سے یہ کیفیت دیکھی نہیں جا رہی تھی تڑپ اٹھیں قریب میں صفا کی پہاڑی تھی اوپر چڑھ کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگیں کہ شاید کوئی آدم زاد نظر آئے یا پانی کا کوئی سراغ لگے۔ وہاں کوئی چیز نہ تھی مایوس ہو کر اتر آئیں۔ کچھ فاصلے پر مروہ کی پہاڑی تھی اس پر پہنچ گئیں۔ لیکن وہاں بھی مایوسی ہی ہاتھ آئی۔ اس طرح سات مرتبہ ان پہاڑیوں کے درمیان چکر کاٹتی رہیں اور درمیان میں بچے کو دیکھنے کے لیے بھی پہنچ جاتیں جو بظاہر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

حضرت ہاجرہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ تکلیف برداشت کرنا اور اس کے لیے یہ تڑپنا اور یہ دوڑنا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ وہ اس کی راہ میں تگ و دو کی علامت بن گیا اور حج کا جزء قرار پایا۔ ایک خاتون کا عمل ہر مرد اور ہر عورت کے لیے اسوہ بن گیا۔

حضرت ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیان جب سات چکر لگا چکیں تو انھوں نے ایک آواز سنی۔ انھیں اپنے کانوں پر شبہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد پھر یہی آواز سنی۔ یہ دراصل فرشتے کی آواز تھی۔ اس نے سطح زمین کو کریدا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا حضرت ہاجرہ گھبرا گئیں۔ فرشتے نے انھیں اطمینان دلایا۔ گھبراؤ نہیں اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اور یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے باپ کے ساتھ یہاں اللہ کا گھر تعمیر کرے گا۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کو ابلتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اپنا مشکیزہ بھر لیا اور اس کے چاروں طرف حوض بنا کر

اسے روکنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر ہاجرہ اس پانی کو نہ روکتیں تو وہ ایک چشمۂ جاری ہوتا اور دریا کی طرح ہمیشہ رواں دواں رہتا۔

وادی میں پانی جب نکل آیا تو آبادی کی صورت بھی پیدا ہو گئی۔ قبیلۂ جرہم کچھ فاصلے پر آباد تھا۔ اس کے کچھ لوگ سفر کرتے ہوئے کداء کے راستے سے مکہ کے نشیبی علاقے میں خیمہ زن ہوئے۔ انھوں نے ایک پرندے کو منڈلاتے دیکھا تو کہا کہ ہماری معلومات کی حد تک یہاں پانی نہیں ہے پھر یہ کیوں منڈلا رہا ہے؟ یہ پرندہ تو وہاں پایا جاتا ہے جہاں پانی ہوتا ہے۔ انھوں نے دو ایک آدمیوں کو تحقیق حال کے لیے بھیجا تو خبر ملی کہ وادی میں پانی موجود ہے۔ قافلے کے لوگ وہاں پہنچے تو حضرت ہاجرہ چشمے کے پاس موجود تھیں۔ انھوں نے وہاں قیام کی اجازت چاہی تو حضرت ہاجرہ نے کہا۔ ہاں تم قیام کر سکتے ہو لیکن پانی پر تمہارا حق نہ ہوگا۔ اسے انھوں نے تسلیم کر لیا۔ جلد ہی قبیلۂ جرہم کے اور لوگ وہاں آباد ہو گئے ان سب کے درمیان ایک طرح کا انس اور محبت پیدا ہو گئی حضرت اسماعیلؑ نے انھیں کے درمیان پرورش پائی۔ عربی زبان بولنے لگے اور ان کی شادی بھی اسی قبیلہ میں ہوئی۔ (بخاری، کتاب الانبیاء)

قربانی

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل اس وادی غیر ذی زرع کو آباد کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیم ان کے پاس آتے جاتے اور ان کی خبرگیری کرتے رہے۔ حضرت اسماعیل اب چلنے پھرنے اور دوڑ دھوپ کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم کو ایک اور امتحان سے گزارا گیا۔ یہ امتحان شاید سابقہ امتحانات سے زیادہ شدید تھا حضرت ابراہیم کو خواب میں اشارہ ہوا کہ اپنی اکلوتی اولاد کو خدا کی راہ میں ذبح کر دیں۔ باپ نے بیٹے سے اس کا ذکر کیا۔ اس کا بیان قرآن کے الفاظ میں سنئے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ (صافات: ۱۰۲)	وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو ایک روز ابراہیم نے اس سے کہا بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟

بیٹے نے بے ساختہ جواب دیا: اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟

قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ	اس نے کہا ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا
سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ	جا رہا ہے اسے کر ڈالیے۔ آپ انشاءاللہ
الصَّابِرِينَ (الصافات: ۱۰۲)	مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔

اسی جواب کی حضرت اسماعیل سے توقع کی جا سکتی تھی۔ اس کم سنی میں بیٹے کی سعادت اور خدا ترسی پر حضرت ابراہیم کا دل شکر و امتنان سے لبریز ہو گیا ہو گا۔ اس کے لیے پیار و محبت کے جذبات امنڈ آئے ہوں گے۔ کیا معلوم کہ آنکھوں میں خوشی کے موتی تیرنے لگے ہوں حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ (الصّٰفّٰت: ۱۰۰)	اے اللہ مجھے صالح اولاد عطا فرما۔

حضرت اسماعیل نے عہد طفلی ہی میں ثابت کر دکھایا کہ اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی۔ وہ صالح فطرت لے کر آئے ہیں اور خدا کے ہر حکم کے آگے سر جھکانے کے لیے تیار ہیں۔

معصوم بچے کی زبان سے صبر و ثبات کے یہ الفاظ سننے کے بعد خدا پرست باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چشم فلک حیران تھی کہ وہ کیا دیکھ رہی ہے؟ زمین کانپ رہی تھی کہ اس پر کیا پیش آنے والا ہے؟ فرشتے انسان کی عظمت کا مشاہدہ کر رہے تھے مخلوقِ خدا دیکھ رہی تھی مٹی کا بنا ہوا انسان خدا پرستی کا کتنا اونچا اور کتنا بلند و بالا مینار تعمیر کر سکتا ہے۔

باپ اور بیٹے کے اس والہانہ اقدام اور ان کے جذبۂ سرفروشی کے بیان کے لیے الفاظ آپ کو خدا کی کتاب سے لینے ہوں گے۔ ارشاد ہے:

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ	جب وہ دونوں مطیع فرمان ہو گئے اور
(الصافات: ۱۰۳)	ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔

یہ سراپا اسلام تھا۔ اس میں مطیع فرمان ہونے اور تعمیل حکم کا تصور ہے۔ اس میں خود سپردگی اور حوالگی کا بھی مفہوم ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے باپ بیٹے سراپا اسلام بن گئے ہوں۔ کیا اسلام کی اس سے بہتر اور کوئی تفسیر ہو سکتی ہے؟

حضرت ابراہیم نے بیٹے کو چت نہیں لٹایا بلکہ چہرے کے بل لٹایا تاکہ ذبح کے وقت بیٹے کے چہرے پر نظر پڑنے سے جذبات پدری غالب نہ آجائیں، جو قدم بڑھ چکا ہے وہ پیچھے نہ ہٹ جائے اور اس میں لغزش نہ آجائے۔ یہ اسلام کامل کے منافی تھا۔

ابھی حضرت ابراہیمؑ کی چھری حضرت اسماعیلؑ کے حلقوم پر نہیں چلی تھی کہ پردۂ غیب سے آواز ابھری:

يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا — اے ابراہیم تونے خواب سچ کر دکھایا۔
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (صافات: ۱۰۵) — ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

باپ کے ہاتھوں بیٹے کو ذبح کرانا مقصود نہ تھا۔ یہ تو محض خدا سے تعلق کا امتحان تھا حضرت ابراہیمؑ نے ثابت کر دیا کہ خدا کی محبت اولاد کی محبت پر غالب ہے اور اس محبت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ وہ اس محبت میں بڑے سے بڑا قدم اٹھا سکتے ہیں۔ حکم ہوا کہ اس امتحان میں تم کامیاب ہو گئے۔ اسی جذبے کے ساتھ ایک بکرا ذبح کر دو۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (الصافات: ۱۰۷) — اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔

انسانی غذا میں جانوروں کا گوشت ہمیشہ شامل رہا ہے اور اس کے لیے جانور ذبح ہوتے رہے ہیں۔ لیکن اس جذبے نے اسے ایک پاکیزہ رخ دے دیا ہے۔ اس طرح جانور کا ذبح کرنا محض غذائی ضرورت کی تکمیل نہیں بلکہ خدا کی راہ میں ہر چیز قربان کر دینے کی علامت بن گیا۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ بکرا جنت سے آیا تھا اور بعض نے کہا کہ یہ کوہ ثبیر سے اترا اور حضرت ابراہیم نے اسے بطور فدیہ ذبح کیا (قرطبی۔ احکام القرآن جلد ۱۵ ص: ۱۰۷)
اس بحث سے قطع نظر حضرت ابراہیمؑ نے جس پاکیزہ جذبے کے ساتھ جانور کی قربانی کی وہ ایک دائمی سنت بن گئی اور بعض مواقع پر اس پر عمل ضروری قرار پایا اور قربانی میں یہی جذبہ مطلوب ہے ورنہ خدا کو گوشت پوست کی حاجت نہیں۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا — نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون
وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ (الحج: ۳۷) — مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

دیوی دیوتاؤں کے نام پر انسانی جان کے نذرانے پیش ہوتے رہے ہیں۔ یہ کوئی نرالی بات نہیں ہے۔ اس کی مثالیں آج بھی مل جاتی ہیں۔ یہ نذرانے ذاتی اغراض اور پست مقاصد کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ ان کے پیچھے کوئی اعلیٰ نصب العین نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم کے اس واقعہ نے بتا دیا کہ کسی چھوٹے مقصد ہی کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے بھی انسانوں کی قربانی ناجائز ہے۔ یہ احترامِ آدمیت کے منافی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ

کی اس سنت کا نوع انسانی پر یہ بہت بڑا احسان ہے۔

رمی جمار

حضرت ابراہیم بیٹے کو ذبح کرنے کے ارادے سے نکلے تو تفسیری روایات میں آتا ہے کہ شیطان حضرت اسماعیل کی والدہ کے پاس پہنچا اور کہا کہ تمہیں کچھ پتہ ہے کہ ابراہیم تمہارے لڑکے کو کہاں لے جا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم۔ کہا کہ وہ انھیں ذبح کرنے لے جا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا اس حرکت کی ابراہیم جیسے شفیق باپ سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس نے کہا کہ ان کا خیال ہے کہ ان کے رب نے انھیں اس کا حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل کی ماں نے جواب دیا اگر یہ ان کے رب کا حکم ہے تو انھیں اس پر عمل کرنا ہی چاہیے۔ پھر وہ حضرت اسماعیل کے پاس آیا اور یہی بات دہرائی تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس پر عمل کیوں نہ ہو۔ میں اس کے لیے آمادہ ہوں۔ آخر میں وہ حضرت ابراہیم کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کے خواب میں شیطان آیا تھا اور اس نے آپ کو اپنی اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس پر آپ عمل نہ کریں۔ حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ شیطان خرقۂ نصیحت پہن کر ان کے پاس آیا ہے انھوں نے اسے دھتکار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ وہ پہلے جمرۂ عقبہ کے پاس آیا تو حضرت ابراہیم نے سات کنکریاں مار کر اسے بھگایا۔ پھر وہ جمرۂ وسطیٰ کے پاس پہنچا وہاں بھی آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر جمرۂ اخریٰ کے پاس پہنچا اور وہاں یہی بات کہی اور حضرت ابراہیم نے سات کنکریاں مار کر اسے بھگا دیا اور پھر اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے آگے بڑھے۔ منیٰ میں واقعۂ ذبح پیش آیا۔ یہ سنت بھی ہمیشہ کے لیے جاری ہوگئی اور حج کا ضروری جزء قرار پائی۔

رمی جمار کے سلسلے میں بعض اور توجیہات بھی منقول ہیں (ابن کثیر، تفسیر: ۱۴/۴-۱۵، قرطبی، احکام القرآن: ۱۵/۱۰۵-۱۰۶)

خانۂ کعبہ کی تعمیر

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی۔ بعض دوسری روایات بتاتی ہیں کہ حضرت آدم کے ہاتھوں اس کی تعمیر ہوئی تھی اور اولادِ آدم کے

لیے یہی مرکز عبادت تھا۔ طوفانِ نوح میں یہ زیرِ آب ہوگیا اور اس کے نشانات تک مٹ گئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس کی نشان دہی فرمائی اور ازسرِ نو اس کی تعمیر ہوئی (قرطبی احکام القرآن: ۲/۱۲۰-۱۲۲)

ان روایات کی صحت مشکوک ہے اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور قرآن مجید نے اس کی گواہی دی ہے کہ اس گھر کی تعمیر حضرت ابراہیم کے ہاتھوں ہوئی۔ جس خلوص اور پاکیزہ جذبے کے تحت ہوئی اس کا ذکر کوئی کیا کر سکے قرآن کے الفاظ میں سنیے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ	اور یاد کرو ابراہیم اور اسماعیل جب
مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ	اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ	دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے رب
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ، رَبَّنَا	ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے تو سب
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ	کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔
وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً	اے رب ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع
لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا	فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی
وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ	قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو۔ ہمیں اپنی عبادت
التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ	کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے
(البقرہ: ۱۲۷-۱۲۸)	درگزر فرما۔ تو بڑا معاف کرنے والا اور
	رحم فرمانے والا ہے۔

غور کیجیے کسی مادی چیز کی خواہش نہیں کوئی ذاتی غرض نہیں، دولت دنیا کی طلب نہیں۔ آسائش و راحت اور عیش و آرام کی خواہش نہیں۔ شہرت اور ناموری کی آرزو نہیں۔ بلکہ دعا ہے اور خلوص کے ساتھ دعا ہے کہ اے خدا تیرا گھر تعمیر ہو رہا ہے اس خدمت کو قبول فرما، ہم دونوں کو اسلام کی دولت سے نواز دے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دے۔ ہماری ذریت سے تیری فرمانبردار امت برپا کردے ہمیں تیری عبادت کے طریقے اور مناسک حج سکھا دے۔ ابھی یہ دعا ختم نہیں ہوئی۔ مزید دعا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرہ: ۱۲۹)	اور اے رب ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

حضرت ابراہیم دیکھ رہے تھے کہ ان کی ذریت پھیلے گی۔ یہ بستی آباد ہوگی اور اسے ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت بھی ہوگی۔ اس کے لیے دعا تھی ایک ایسے پیغمبر اور ایک ایسے رہنما کی جو ان کی ذریت کو خدا کی کتاب سنائے۔ جو اسے فکر و عمل کی گندگیوں سے پاک صاف کرے اور اسے کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور دین کے اسرار و رموز اس پر کھولے۔ اپنی ذریت اور اپنی اولاد کے لیے اس سے بہتر اور کیا دعا ہو سکتی ہے۔ وہ سینہ کن جذبات سے معمور رہا ہوگا جن سے یہ دعائیں الفاظ کے قالب میں ڈھل رہی ہوں۔ یہ بے غرضی، یہ بے لوثی اور اخلاص و للٰہیت پیغمبروں ہی کے یہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ وہی اس معاملہ میں دنیا کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ حرم کو جو عظمت نصیب ہوئی دل کہتا ہے، پورے زور سے کہتا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا خلوص اور للٰہیت کارفرما رہی ہے۔

حضرت ابراہیم نے جس پیغمبر کی دعا کی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس کا مظہر اتم تھی۔ آپؐ کے ذریعے ان مقاصد کی تکمیل ہوئی جن کی دعا حضرت ابراہیم نے کی تھی اور اس طرح ہوئی کہ اب نوع انسانی کی فلاح و کامرانی کے لیے کسی اور ہدایت، کسی اور رہنمائی کی قیامت تک ضرورت نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ نے وہ مقصد واضح کر دیا تھا جس کے لیے خانۂ کعبہ کی تعمیر کا حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ	یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے

السُّجُوْدِ	گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع
(الحج: ۲۶)	وسجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

یہی بات ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں کہی گئی ہے۔

وَعَہِدْنَا اِلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَ	اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید
اِسْمَاعِیْلَ اَنْ طَہِّرَا بَیْتِیَ	کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور
لِلطَّائِفِیْنَ وَالْعَاکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ	اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے
السُّجُوْدِ (البقرہ: ۱۲۵)	والوں کے لیے پاک رکھو۔

یہ ہدایت تھی اور اعلان تھا کہ یہ گھر توحید کا مرکز ہوگا۔ یہاں صرف خدا کی عبادت ہوگی اسے ظاہری غلاظت اور گندگی سے پاک رکھا جائے گا۔ لوگ اس کا طواف کرنے کے لیے آئیں گے۔ اس میں رکوع و سجدہ ہوگا اور نمازیں پڑھی جائیں گی۔

حجر اسود

خانہ کعبہ کا طواف کرنا اور اس کے گرد چکر کاٹنا عین عبادت ہے۔ اس کی بنیادیں جب ایک حد تک بلند ہو چکیں تو حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے کہا کہ کوئی ایسا خوب صورت اور نمایاں پتھر ڈھونڈ لاؤ کہ اسے دیوار میں نصب کر دیا جائے تاکہ وہ طواف کرنے والوں کے لیے علامت کے طور پر استعمال ہو سکے۔ وہ یہاں سے طواف شروع کریں اور یہیں ختم کریں۔ حضرت اسماعیل پتھر ڈھونڈ لائے لیکن حضرت ابراہیم کو پسند نہ آیا۔ وہ دوسرے پتھر کی تلاش میں گئے کہ جبرئیل نے حضرت ابراہیم کو مناسب پتھر کی نشان دہی کی۔ یہی حجر اسود ہے اور وہ دیوار میں نصب کر دیا گیا۔ اسے بوسہ دینا سنت اور باعث ثواب ہے۔ (قرطبی۔ احکام القرآن ۱۳۲/۲)

مقام ابراہیم

حضرت ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ حضرت اسماعیل انھیں پتھر فراہم کرتے تھے۔ جب بنیاد کچھ بلند ہو گئی اور ہاتھ کا وہاں تک پہنچنا مشکل ہو گیا تو حضرت ابراہیم ایک پتھر پر کھڑے ہو کر اسے بلند کرنے لگے۔ اسی کو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے۔ یہ شاید کچا پتھر

تھا اس پر حضرت ابراہیم کے قدم کے نشانات پڑ گئے۔ لوگوں کے مسلسل ہاتھ لگانے اور چھوتے رہنے کی وجہ سے وہ دھندلے ہوتے چلے گئے۔ ایک وقت آیا کہ وہ نشانات مٹ گئے۔ یہ پتھر خانہ کعبہ کی بنیاد سے لگا ہوا تھا۔ غالباً جہاں تعمیر کا کام ختم ہوا حضرت ابراہیم نے اسے وہیں چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ اس کی وجہ سے طواف میں زحمت ہو رہی ہے تو اسے تھوڑا سا پیچھے ہٹا لیا۔ صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے اس اقدام پہ نکیر نہیں کی۔ اس طرح عملاً اس سے اتفاق کر لیا گیا۔

ایک کمزور سی روایت یہ بھی ہے کہ اس پتھر پر حضرت اسماعیل کی اہلیہ نے حضرت ابراہیم کا سر دھلایا تھا۔ اور اس پر حضرت ابراہیم کے کھڑے ہونے کے نشانات تھے۔ اس روایت سے یہاں بحث نہیں ہے۔ قرآن مجید سے حضرت ابراہیم کی طرف اس کی نسبت ثابت ہے اور یہی اس کے احترام کے لیے کافی ہے۔ قرآن نے کہا:

وَاتَّخِذُوْا من مقام ابراهیم مصلی (البقرہ: ۱۲۵)	اور تم مقام ابراہیم کو نماز ادا کرنے کی جگہ بنالو۔

طواف قدوم کے بعد اس جگہ دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے۔ البتہ اسے چھونا یا اس کا بوسہ لینا ثابت نہیں۔ (قرطبی۔ احکام القرآن ۲/ ۱۱۲-۱۱۳، ابن کثیر، تفسیر ۱/ ۱۶۹-۱۷۱، ابن حجر، فتح الباری ۸/ ۱۶۹)

حج کا اعلان

جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو گئی تو حکم ہوا:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ	اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں، خود بھی کھائیں اور تنگ دست

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (الحج ۲۷-۲۹)	محتاج کو بھی دیں۔ پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

یہ قیامت تک کے لیے اعلان تھا کہ لوگ اس گھر کی زیارت کے لیے آئیں اور ہر طرف سے آئیں۔ اس کا طواف کریں۔ یہاں قربانی دیں اور اپنی نذریں پوری کریں۔ آج تک یہ اعلان باقی ہے اور دنیا کے ہر گوشے سے خدا کے بندے اس گھر کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ انشاء اللہ جاری رہے گا۔

یہ ہے حج کی مختصر تاریخ۔ اس تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا ہے۔ یہ تاریخ آج بھی بولتی ہے۔ ان مقامات پر پہنچ کر جہاں یہ تاریخ وجود میں آئی اس کی آواز سنی جاسکتی ہے۔ ان مقامات کے مشاہدہ سے آنکھوں کو جلا اور ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ آدمی ان اعمال کو بجالانے کی کوشش کرے جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ نے انجام دیے تھے۔ اس کا قلب ان کیفیات سے دوچار ہو جو ان مواقع پر طاری ہوتے ہیں یا فطری طور پر طاری ہونے چاہئیں۔ یہی ہے حج کی معنویت۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا، وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔	بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس میں خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم (ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ) ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہوگیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو کوئی گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جو کوئی

(آل عمران: ۹۶-۹۷) اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے
معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے

سفر حج کی روداد سے پہلے حج کا ذکر چھڑ گیا ؎
لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اب اس مقدس فرض کی ادائیگی میں ہمارا حال بھی سنیے۔

ہمارا سفر انٹرنیشنل پاسپورٹ کے تحت تھا۔ اس سلسلے میں مجھے کسی قسم کی دوڑ دھوپ نہیں کرنی پڑی۔ ساری کارروائی برادر محترم جناب اعجاز احمد اسلم صاحب اور جناب طارق اکرام اللہ صاحب نے انجام دی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔

۲۱ مارچ ۹۷ء کو ہم دونوں علی گڑھ سے دہلی روانہ ہوئے۔ بچے بھی رخصت کرنے کے لیے ساتھ ہو گئے۔ بڑا لڑکا سید صفی اطہر اسی مقصد سے بمبئی سے آیا ہوا تھا۔ ۲۵ مارچ کی شام کو ۶½ بجے سعودی ایرلائنس سے روانگی تھی رفیقوں اور دوستوں کی دعاؤں کی سوغات لے کر روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر محمد رفعت (داماد) دونوں بچوں اور دونوں بچیوں نے رخصت کیا۔ ایرپورٹ میں جیسے ہی داخل ہوئے اور سفر کے سلسلہ کی معلومات کرنے لگے ایک نوجوان جن کا تعلق بہار سے تھا اور جو سعودیہ میں ملازم تھے، انھوں نے سامان کی چیکنگ سے لے کر بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے تک بلکہ جہاز میں سوار ہونے تک ساتھ دیا۔ وہ خود بھی اسی جہاز سے سفر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، افسوس کہ میں ان کا نام بھول گیا۔

ہم نے حج تمتّع کی نیت کی تھی۔ حج تمتّع میں آدمی حج کے مہینوں میں عمرہ کی نیت کرتا ہے، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام کی پابندیاں اس پر سے ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر حج کے دنوں میں دوبارہ احرام باندھ کر حج کرتا ہے۔ حج تمتع کرنے والے کے لیے قربانی واجب ہے۔ سفر حج شروع ہوتے ہی دہلی ایرپورٹ پر میں نے دو رکعت نفل نماز پڑھی اور عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لیا۔ اہلیہ نے بھی نفل پڑھی اور عمرہ کی نیت کی (عورتوں کے لیے احرام کا مخصوص لباس نہیں ہے وہ اپنے عام کپڑوں میں احرام کی نیت کر سکتی ہیں)

سعودیہ کا طیارہ ظہران ہوتے ہوئے جدہ پہنچا۔ اس وجہ سے سفر میں چھ گھنٹے سے کچھ زیادہ ہی وقت صرف ہو گیا۔ دہلی سے براہ راست فلائٹ چار گھنٹوں میں جدہ پہنچ جاتی ہے۔

جدہ ہم لوگ پہنچے تو سعودی عرب کے حساب سے ۱۱ ½ اور ہندوستان کے حساب سے دو بجے تھے۔ مغرب اور عشاء کی نماز کافی تاخیر سے ایرپورٹ پر ادا کی۔ اس کے بعد ضابطہ کی طویل طویل اور تھکا دینے والی کارروائی شروع ہوئی۔ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ (حج کے موقع پر ایک عرب دوست اور معروف شخصیت کی مہربانی سے ضابطہ کی کارروائیوں سے بچا رہا) اس کارروائی کو اور تیز کیا جا سکتا ہے اور زحمتوں سے بچا جا سکتا ہے معلوم ہوا کہ حاجیوں کے جو مخصوص جہاز ہوتے ہیں ان سے نمٹنے میں اور بھی کئی گھنٹے مزید لگ جاتے ہیں۔ ہندوستان سے جو حاجی آئے تھے ان میں سے چار افراد سب سے پہلے صبح چار بجے کے قریب مکہ مکرمہ روانہ ہوئے ان میں خوش قسمتی سے ہم دونوں بھی تھے۔ باقی حجاج کا تعلق پاکستان سے تھا۔ راستے میں نماز فجر ادا کی۔ مکہ مکرمہ میں معلم کے آفس پہنچے تو سات بج چکے تھے۔ معلم کے پاس پاسپورٹ جمع ہو جاتے ہیں ان کی جگہ ایک کارڈ ملتا ہے جو حج سے واپسی تک پاسپورٹ کا بدل ہوتا ہے۔ منیٰ اور عرفات کے قیام کے لیے بھی الگ سے کارڈ ملتا ہے۔ ہاتھ میں ڈالنے کے لیے پلاسٹک کا ایک پٹا ہوتا ہے جس میں معلم کا نام اور پتا لکھا ہوتا ہے۔ ہمارے معلم کا نام محمد اسماعیل الموذن ہے۔

سعودی عرب کے رفیقوں اور دوستوں نے یہ پہلے ہی سے طے کیا تھا کہ ہمارا قیام انہی کے درمیان رہے گا اور انہی کے ساتھ حج ہوگا چنانچہ معلم کے آفس سے میں نے برادرم جناب محمد اسماعیل صاحب کو فون کیا تو تھوڑی ہی دیر میں وہ اور ان کی اہلیہ پہنچ گئیں ساتھ میں برادرم ریاض صاحب بھی تشریف لے آئے۔ وہ ہم دونوں کو ڈاکٹر محمد آصف علی صاحب کے مکان لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر رفیعہ صاحبہ 'مستشفی الولادۃ' جرول میں سروس میں ہیں۔ مکان اسی کے قریب ہے۔ دونوں کا تعلق حیدرآباد سے ہے۔

عمرہ کی ادائیگی

ہم لوگوں کو اب عمرہ کرنا تھا۔ رفیق محترم جناب صداقت علی صاحب طے شدہ پروگرام کے تحت عصر سے پہلے تشریف لے آئے۔ عصر کی نماز حرم میں ادا کی۔ حرم کا پورا ماحول طہارت اور پاکیزگی کا ماحول ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چاروں طرف تقدس کا ہالہ موجود ہے اور ہر طرف نیکی کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ حرم

کو دیکھئے اور دیکھتے ہی رہئے۔ یہاں ہر آن رحمتوں کی بارش ہوتی ہے ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق فیض یاب ہو سکتا ہے۔ لیکن کیفیت یہ تھی کہ ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار   گلچینِ تو بہ تنگیٔ داماں گلہ دارد

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو دیکھتے تو فرماتے اللھم زد ھٰذا البیت تشریفاً و تعظیماً (اے اللہ اس گھر کی عظمت اور قدر و منزلت میں اضافہ فرما) یہ مسنون دعا اس گھر کی عظمت کا احساس دلاتی ہے اسے بھولنا نہیں چاہیے۔

نماز عصر کے بعد ہم دونوں نے طواف کیا۔ صداقت علی صاحب بھی طواف میں ساتھ رہے۔ کعبۃ اللہ کو دیکھتے ہی دل بے چین ہو جاتا ہے جب یہ خیال آتا ہے کہ یہ خدا کا وہی گھر ہے جس کی طرف رخ کر کے زندگی بھر نماز پڑھی اور جب تک حیات مستعار ہے انشاء اللہ پڑھتے رہیں گے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس کے در و دیوار سے چمٹ جائیں جس گھر کو یہ مقام حاصل ہو کہ وہ دنیا کے سارے مسلمانوں کا قبلہ ہو، عبادت میں جس کی طرف رخ کرنا ضروری ہو اور اس سے رخ پھر جائے تو نماز نماز نہیں ہوتی، اس کی عظمت کن الفاظ میں اور کس طرح بیان کی جا سکتی ہے۔ انہی احساسات کے ساتھ خانہ کعبہ کو دیکھتا اور کبھی اپنی خوش بختی پر مسرت سے جھوم اٹھتا اور کبھی نگاہیں خود بخود جھک جاتیں کہ ان سیہ کار آنکھوں سے خدا کے اس مقدس گھر کو کیسے دیکھا جائے؟ اس کے لیے تو طہارت میں ڈوبی ہوئی اور توبہ و استغفار سے دھلی ہوئی آنکھیں چاہئیں کاش وہ آنکھیں ملتیں جو اس کے شایانِ شان ہوتیں۔

تھوڑی دیر غلاف کعبہ کو دیکھا اور دیکھتا رہا۔ پہلے بھی بارہا دیکھا تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس سیاہ پردہ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں اور پورا ماحول روشن اور تاباں ہو رہا ہو۔ خیال ہوا کیا اس میں میری جذباتیت کا دخل ہے یا میں خاص قسم کی مذہبی نفسیات کا شکار ہوں۔ جلد ہی یہ خیال مٹ گیا۔ اس لیے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ مرکز ہدایت ہے۔ یہ بقعۂ نور ہے۔ یہیں سے نور ہدایت پھیلا اور عام ہوا۔ سر زمین مکہ سے جو آفتاب طلوع ہوا اس سے ساری دنیا چمک اٹھی۔ اگر اس سے نور نکلتا ہوا محسوس ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

خانہ کعبہ کا طواف حج اور عمرہ کا جزء اور ایک بڑی عبادت ہے۔ طواف کرتے ہوئے۔

انسان عجیب کیفیات سے سرشار ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی تمنائیں اور مرادیں لے کر بے سرو سامانی کے لباس میں خدا کے گھر کا طواف کرتا اور اس کے گرد چکر کاٹتا ہے تو خدا تعالیٰ کا جذبہ کرم بھی جوش میں آجاتا ہوگا۔ میں بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ اس گھر کا طواف کر رہا تھا۔ دل سے صدا بلند ہوئی۔ اے اللہ! یہ فقیر بے نوا تیری نوازش کا طالب ہے۔ تو اس کا دامن بھر دے۔ وہ تیرے در سے خالی ہاتھ نہ جائے۔

ہم لوگوں نے عصر کے بعد طواف کیا اور طواف کے بعد سعی کی۔ اتنے میں عشاء کا وقت ہوگیا۔ عشاء سے فارغ ہونے کے بعد بالوں کا قصر کرایا اور دیر گئے ڈاکٹر آصف صاحب کے مکان پہنچے جو ہماری قیام گاہ تھی۔

جب تک مکہ مکرمہ میں قیام رہا پینے کے لیے زمزم کا استعمال خوب رہا۔ زمزم کو خوب جی بھر کر پینے کا حکم ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے ماء زمزم لما شرب لہ یعنی زمزم جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ پورا ہوگا۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ زمزم بھوک اور پیاس دونوں میں کام آتا ہے۔ بہت سے اللہ کے بندوں کا تجربہ اس کی تائید کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کھڑے ہو کر پیا تھا۔ اس لیے کھڑے ہو کر پینا سنت ہے۔ اس وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے اللھم انی اسئالک علما نافعا ورزقا واسعا وشفاء من کل داء۔ حرم میں ہر طرف زمزم کے کنستر موجود رہتے ہیں، اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی زحمت نہیں پیش آتی۔ باہر نل لگے ہوئے ہیں۔ یہاں سے زمزم لے جایا بھی جاسکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس سے وضو کرتے اور منھ ہاتھ دھوتے ہیں۔

۲۹ مارچ ۹۷ء کو بعد عصر ہم دونوں جناب ریاض احمد صدیقی صاحب کے ساتھ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے نکلے۔ ان مقامات کی میں پہلے بھی زیارت کر چکا تھا لیکن اہلیہ کے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ حج سے پہلے ان مقامات کا دیکھ لینا مفید ہوتا ہے۔ ایام حج میں مجمع کی کثرت اور حج کی مصروفیت کی وجہ سے ان کے بارے میں پوری معلومات نہیں ہو پاتیں۔ ریاض صاحب خاصے طویل عرصے سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ ان کی معلومات بھی وسیع ہیں۔ انھوں نے ان مقامات کے کچھ نقشے بھی مرتب کیے تھے۔ ان کی معلومات سے فائدہ پہنچا اور بہت سی یادیں تازہ ہوگئیں۔ فتح مکہ کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے داخل ہوئے۔ اس سے ہماری گاڑی گزری۔ شعب ابی طالب کو اچھی

طرح دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے ساتھ اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ وابستہ ہے جو بتاتی ہے کہ دعوت حق کی راہ کن پرخار وادیوں سے گزرتی ہے۔ شعب ابی طالب اب اپنی اصل شکل میں نہیں ہے۔ اسے کاٹ کر وسیع سڑکیں نکال دی گئی ہیں۔ اسے اب شعب علی کہا جاتا ہے۔ وادی بیعت عقبہ دیکھی جس بیعت نے اسلام کی دعوت کو ایک نیا رخ دیا اور فتح و کامرانی کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ منی پہنچے۔ مسجد خیف دیکھی جس کا ایک حصہ حدود حرم میں اور ایک حصہ حدود حرم سے باہر ہے۔ نہر زبیدہ کے نشانات دیکھے۔ یہ ٹوٹ پھوٹ گئی ہے اور استعمال میں نہیں ہے لیکن اس میں انجینیرنگ کا کمال یہ ہے کہ اتنی لمبی نہر، اونچے نیچے راستے سے اور پہاڑوں کے درمیان سے گزرتی تھی لیکن اس کی سطح (Level) ہموار تھی۔ کہیں فرق نہیں آنے پایا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے پانی پہنچ نہیں سکتا تھا۔ میدان عرفات پہنچے۔ جبل رحمت گئے جہاں سے آپ نے حجۃ الوداع کا تاریخی خطبہ دیا تھا۔ انسانی حقوق کی حفاظت، نوع انسانی کی ہمدردی اور کمزوروں کی بہی خواہی میں اس جیسا خطبہ تاریخ کبھی سن نہیں سکی۔ راستے میں مغرب کا وقت ہو گیا۔ سڑک کے کنارے کچھ اور لوگوں کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی اور سیدھے حرم پہنچ گئے۔ دیر تک خدا کے گھر میں بیٹھے رہے۔ نماز عشاء حرم میں پڑھی۔ اس کے بعد ریاض صاحب نے ہمیں اپنے مستقر پر پہنچا دیا۔

محترم سید صداقت علی صاحب نماز فجر سے پہلے ڈاکٹر آصف صاحب کے ہاں پہنچ جاتے اور ڈاکٹر صاحب کے ہاں یہ اہتمام تھا کہ نماز سے پہلے ہی ہم دونوں کے لیے اور ہمارے ساتھ صداقت صاحب کے لیے بھی چائے تیار ملتی۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہم دونوں کو اپنی گاڑی سے حرم پہنچا دیا کرتے۔ نماز فجر کے بعد جب تک جی چاہتا ہم دونوں حرم میں قیام کرتے اور کوشش یہ ہوتی کہ ہر روز طواف کی سعادت بھی حاصل ہو۔ پھر کوئی نہ کوئی دوست آتے اور ہمیں ڈاکٹر صاحب کے یہاں پہنچا دیتے۔ ڈاکٹر صاحب کا گھر حرم سے قریب تھا۔ دس منٹ میں سواری ان کے گھر پہونچ جاتی۔

۲۱ مارچ / ۲۱ ذی قعدہ کو ہم ڈاکٹر صاحب کے گھر پہنچ کر ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حسین ذوالقرنین صاحب تشریف لے آئے۔ دعوت و تبلیغ کے موضوع پر ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ لندن میں اس مقصد کے لیے ایک سینٹر قائم ہے اس سے وہ متعلق ہیں عصر کے بعد صداقت صاحب کے ساتھ ہم دونوں حرم پہنچے۔ ہم دونوں کے ساتھ صداقت صاحب

نے بھی طواف کیا۔ نماز مغرب کے بعد واپسی ہوئی۔

مدینہ منورہ روانگی

آج بعد عشاء مدینہ منورہ روانگی ہے۔ عشاء کے بعد روانگی طے ہوئی ہے لیکن ضابطہ کی طول طویل اور بظاہر غیر ضروری کارروائیوں کے نتیجے میں شب میں بارہ بجے بس روانہ ہوئی۔ صداقت صاحب اور تمیز الدین صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ ہم لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے موجود تھے۔ اتنی دیر تک انھیں انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ ان سب باتوں پر قابو پایا جاسکتا ہے لیکن اس کی طرف شاید توجہ نہیں ہوتی۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کا فاصلہ چار سو بیس[۴۲۰] کلومیٹر اور جدہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ تین سو چھیانوے[۳۹۶] کلومیٹر ہے۔ سڑک وسیع، کشادہ اور دورویہ ہے۔ اس پر چھ گاڑیوں کی بیک وقت آسانی سے آمد و رفت ہوسکتی ہے۔ تین گاڑیاں ایک طرف سے اور تین گاڑیاں دوسری طرف سے۔ آمد و رفت کے راستے الگ الگ ہیں۔ درمیان میں بیس میٹر جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ اس شاندار سڑک پر زیادہ سے زیادہ چار ساڑھے چار گھنٹے کے اندر مکہ یا جدہ سے مدینہ پہونچا جاسکتا ہے۔ لیکن بس ڈرائیوروں کی بے نیازی اور ضابطہ کی کارروائیوں میں پوری رات گزر جاتی ہے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے بھی رات جاگ کر گزاری اور صبح ساڑھے آٹھ بجے بس نے ہمیں مدینہ منورہ میں حرم کے قریب اتار دیا۔ رفقاء نے بتایا کہ یہ کم وقت لگا ہے۔ بالعموم اس سے زیادہ وقت لگتا ہے۔ چنانچہ واپسی پر ہمیں اس کا تجربہ بھی ہوا۔ سڑک پر اتر کر میں نے اپنے رفیقوں کو فون کرنا چاہا۔ میرے پاس سعودی سکے تو تھے لیکن قریب میں جتنے ٹیلی فون بوتھ تھے ان میں کارڈ سسٹم تھا اور کارڈ میرے پاس نہیں تھا۔ میں نے ایک دوکان دار سے فون کرنے کی درخواست کی اس نے بخوشی نمبر ملا دیا۔ فون پر بات ہوتے ہی جناب مسیح الرحمٰن صاحب، جناب عارف الحق صاحب اور جناب عبدالرزاق صاحب پہنچ گئے۔ حرم سے قریب ہی انھوں نے ہم دونوں کے لیے ایک کمرہ لے رکھا تھا۔ اس کمرہ میں پہنچا دیا۔ وہیں ناشتہ کیا۔ عبدالرزاق صاحب دوپہر کا کھانا لے کر عارف صاحب کے ساتھ پہنچے۔ میں نے عرض کیا۔ کھانے کی زحمت نہ کریں۔ ہم لوگ خود اس کا انتظام کریں گے۔ لیکن عبدالرزاق صاحب نے کہا۔ کہ ہم نے آپ کی خواہش پر کمرہ تو لے رکھا

ہے لیکن ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ہمارے گھر قیام کریں۔ میں نے عرض کیا کہ یہاں سے حرم قریب ہے۔ پانچوں وقت نماز کی سعادت حاصل ہو سکتی ہے انھوں نے کہا کہ ہم حرم میں آپ کی پانچوں وقت کی نماز کا انتظام کر دیں گے۔ گھر پر ٹیلیفون کی سہولت ہے۔ دوست و احباب آپ سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ بہرحال ان کا اصرار اس حد تک بڑھا کہ ہم اسی روز عبدالرزاق صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ عبدالرزاق صاحب۔ ان کی اہلیہ اور ان کے بچے ہماری ہر چھوٹی بڑی ضرورت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ہر طرح کا آرام رہا۔

جناب عارف الحق صاحب، نذیر احمد صاحب اور جناب حامد صاحب ہم لوگوں کو نماز کے لیے حرم پہنچا تے۔ جب تک ہمارا جی چاہتا ہم لوگ وہاں رہتے پھر کوئی رفیق آتے اور ہمیں واپس لے جاتے۔ البتہ نماز ظہر کبھی کبھی قریب کی مسجد میں ادا ہوتی رہی۔ مسجد نبوی میں چالیس فرض نمازیں ادا کرنے کا رواج سا ہو گیا ہے۔ اس کا بڑا ثواب بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے کم از کم ایک ہفتہ قیام کی کوشش ہوتی ہے۔ یہ اجر و ثواب کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اس رواج عام کی ہم سے پابندی نہ ہوئی اور نہ ہم یہ چاہتے تھے۔ اس کے باوجود۔ ہم دونوں کو تقریباً چالیس نمازیں ادا کرنے کی سعادت ملی۔

مکہ مکرمہ اور کعبۃ اللہ کے بعد ایک مسلمان کے لیے سب سے زیادہ پر کشش مقام مدینہ منورہ اور مسجد نبوی ہے۔ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی لیکن جب دیکھئے حرم نبوی میں نئی کشش محسوس ہوتی ہے۔ اس کی تعمیر میں وہ مقدس ہستی شریک تھی جو سید الناس تھی اور اس کے وہ ساتھی معاونت کر رہے تھے جن کو "اشداء علی الکفار رحماء بینهم" کہا گیا ہے۔ میں بیٹھا اس ہستی کے بارے میں سوچنے لگا جس کے اشارہ چشم وابرو پر اس کے ساتھیوں کی جانیں نثار ہوتی تھیں جس کا ہر عمل امت کے لیے نمونہ تھا۔ جس کی پوری زندگی اسوۂ حسنہ تھی۔ جس کے نقش قدم سے رہنمائی ملتی تھی جس نے زہد فی الدنیا کے ساتھ حکمرانی اور سیاست کا بھی درس دیا۔ جس کی راتیں خدا کی عبادت میں اور جس کے دن اس کے دین کی دعوت و تبلیغ اور سر بلندی کی جد وجہد میں صرف ہوئے تھے، جس کے اردگرد دنیا کی دولت امنڈ آئی لیکن اس نے ایک مسافر کی طرح زندگی بسر کی۔

مالی وللدنیا وما انا والدنیا   میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میرا دنیا سے

ما لی وما للدنیا ما انا فی الدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکہا	مجھے دنیا سے کیا واسطہ، مجھے تو دنیا سے بس اتنا ہی تعلق ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سایہ میں ٹھہر جائے پھر چل پڑے اور اسے چھوڑ دے۔
(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)	

بوریا ممنونِ خواب راحتش   تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش

جس ہستی کے ذریعے دنیا کو علم کی روشنی ملی۔ مکارمِ اخلاق، اعلیٰ سیرت، ہمدردی و بہی خواہی ملی، عدل و انصاف کی دولت ملی، حقوق ملے، کمزور کو طاقت ملی، زورآور کو احساس ہوا کہ وہ قانون کے سامنے لاچار اور بے بس ہے۔

اتنا عظیم کارنامہ جس کی کوئی مثال پیش کرنے سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں کیسے انجام پایا؟ کن حالات میں انجام پایا؟ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے لیکن اس وقت حرمِ نبوی کی مقدس فضا میں جہاں زور سے سانس لیتے ہوئے بھی دل کانپ جاتا تھا۔ میں نے قرآن مجید سے اس کا مطالعہ کرنا چاہا۔ میں نے سورۂ احزاب، سورۂ نور، سورہ محمد، سورہ فتح، سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ مجادلہ اور سورۂ طلاق تک پڑھنا شروع کیا۔ پڑھ رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے دورِ مبارک کی تصویر پاکیزہ فلم کی طرح ابھر رہی تھی۔ پھر بے اختیار سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ مائدہ، سورۂ انفال، سورہ توبہ، غرض تمام مدنی سورتیں پڑھیں کچھ عجیب کیفیت سے دوچار ہو رہا تھا۔ کبھی اللہ کی کتاب پڑھتا، کبھی آنکھیں بند کر لیتا۔ کبھی مصحف ہاتھ میں ہوتا اور کبھی دونوں زانوؤں کی زینت بنتا۔ سوچتا کیسا مبارک انقلاب تھا، کن نازک حالات میں برپا ہوا، کیسی مخالفتیں ہوئیں؟ کیا کیا سازشیں کی گئیں؟ ان کے جواب میں کیا تدبیریں اختیار کی گئیں اور کیا حکمت و دانائی تھی جن کا ہر وقت مظاہرہ ہوتا رہا۔ قرآن مجید کی تلاوت کا ایک نیا لطف آیا۔ محسوس ہوا کہ کچھ نئے گوشے سامنے آ رہے ہیں۔ میں ایک ایسے عالم کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جسے دیکھنے کی تمنا سب سے بڑی تمنا ہے۔ کیا معلوم کہ یہ تمنا کب پوری ہوگی اور وہ صبح سعادت کب طلوع ہوگی جس نے پوری دنیا کو روشنی سے بھر دیا تھا۔

کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے اس سے ہزار گنا مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کا ثواب ہے اور بیت اللہ میں نماز ادا کرنے کا ثواب تو ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

صلوٰۃ فی مسجدی ھٰذا	میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں
خیر من الف صلوٰۃ فیما	کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے مسجد حرام
سواہ الا المسجد الحرام	اس سے مستثنیٰ ہے (اس کا ثواب
(بخاری و مسلم)	اس سے زیادہ ہے)

جب یہ حدیث ذہن کے پردے پر ابھرتی تو جی چاہتا کہ نماز کے لیے کھڑا ہو جاؤں۔ مسجد حرام کی نمازیں بھی عام نمازوں کی طرح غفلت ہی کی نمازیں رہیں لیکن کبھی کبھی ایک طرح کا کیف و سرور اور لذت بھی محسوس ہوئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے خدا کے حضور کھڑا ہوں۔ گناہوں کا احساس ابھر رہا ہے۔ دل کا زنگ دور ہو رہا ہے اور خدا سے قربت کا لطف مل رہا ہے۔ ایسے میں دعاؤں کی لذت بھی ملی۔ خدا سے مانگنے میں جو لذت ہے اسے کن الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے؟

مسجد نبوی جو اسلامی مملکت کا مرکز تھی۔ جہاں سے پورے حجاز پر حکومت ہو رہی تھی۔ اس کی لمبائی صرف سو ہاتھ تھی اور چوڑائی بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ گویا مسجد کی شکل مربع تھی۔ بنیاد تین ہاتھ کھودی گئی تھی۔ بنیادیں پتھر کی اور دیواریں اینٹ کی تھیں۔ کھجور کے تنوں کے ستون تھے۔ کھجور ہی کے پتوں کی چھت تھی۔ چھت اتنی نیچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر اسے چھو سکتا تھا۔ بارش میں چھت ٹپکتی تھی۔ بعد میں چھت مٹی سے پاٹی گئی۔ مسجد کی تعمیر میں سات ماہ یا ایک سال کے قریب وقت لگا۔ فرش کنکریوں کا تھا۔ خیبر کے بعد مزید توسیع ہوئی۔ حضرت عثمان نے اس کے لیے زمین خرید کر وقف کی تھی۔ مسجد کے آخری حصے میں صفہ تھا۔ اس پر چھت پڑی ہوئی تھی۔ یہ غالباً مسجد کے بعد تعمیر ہوا جب مہاجرین کی تعداد زیادہ ہو گئی اور ان میں سے بعض کے قیام کا انتظام نہ تھا تو صفہ ان کا مسکن تھا جو لوگ یہاں قیام پذیر تھے اور دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے ان کی معاش کا کوئی مستقل نظم نہ تھا۔ رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف صحابہ کے یہاں ان کے کھانے کا نظم فرماتے تھے۔ دن میں یہ حضرات اپنے طور پر کچھ معاشی کوشش کرتے رہے ہوں گے۔

حضرت عمر کے زمانے میں مسجد میں آگے کی طرف توسیع عمل میں آئی۔ حضرت عثمان نے مزید توسیع کی۔ بعد میں اس میں مسلسل اضافے ہوتے رہے۔ اب حرم میں غیر معمولی توسیع ہو گئی ہے اور اس کا انتظام بھی قابلِ رشک ہے۔

قرآن مجید کی ہدایت ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات: ۲)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کا احترام ضروری ہے۔ اس کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ آپ کی اس مسجد میں شور و غل نہ ہو اور ہر آن ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے دو آدمیوں کو مسجد نبوی میں لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ دریافت فرمایا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے عرض کیا طائف سے تعلق ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں اس بے ادبی پر سزا دیتا۔ (چونکہ باہر سے آئے ہو اور مسجد نبوی کے آداب سے واقف نہیں ہو اس لیے نظر انداز کیا جا رہا ہے)

مدینہ منورہ کی زیارت اور مسجد نبوی میں نماز حج کا جز نہیں ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ احرام وغیرہ کی شرط نہیں ہے۔ کسی بھی مہینے میں اور کسی بھی دن زیارت ہو سکتی ہے۔ حج کے مہینوں کی شرط نہیں ہے۔ لیکن حج کو جانے والے مسجد نبوی کی زیارت سے محروم رہنا پسند نہیں کرتے۔ اس سے بڑی محرومی ہو بھی کیا سکتی ہے کہ آدمی حج کے لیے مکہ مکرمہ جائے اور مدینہ منورہ نہ پہنچے۔ خاص مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کی زیارت کے ارادے سے سفر کی اجازت ہے البتہ کسی اور عبادت گاہ کے لیے خاص طور پر سفر کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تشدّ الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد مسجد الحرام ومسجد الاقصیٰ ومسجدی ھٰذا۔ (بخاری ومسلم)	تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے (ثواب کی نیت سے) سفر نہیں کیا جائے گا۔ وہ ہیں مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد

۴ اپریل کو جناب عارف الحق صاحب کے ساتھ ہم دونوں نماز فجر کے لیے

مسجد نبوی پہنچے۔ طے شدہ پروگرام کے تحت نماز سے فارغ ہونے کے بعد عزیزم محی الدین غازی فلاحی اور عزیزم عبداللہ حماد بھی حرم پہنچ گئے۔ یہ مختصر قافلہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ یہ مقامات میری اہلیہ کے لیے نئے تھے لیکن جب دیکھئے تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ہماری تاریخ وابستہ ہے۔ جبل احد پہنچے۔ جنگ احد یاد آگئی۔ فتح کے بعد شکست کھانے کا یہ پہلا تجربہ تھا اس میں بعض کمزوریاں بھی سامنے آئیں اور ان کی اصلاح کی ہدایت کی گئی۔ ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هٰذا جبل احد يحبّنا	یہ احد پہاڑ ہے۔ یہ ہم سے محبت کرتا
ونحبه	ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

جب کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آتا ہے تو کمزور ذہن اس جگہ کو بھی منحوس اور نامبارک سمجھنے لگتے ہیں جہاں وہ واقعہ پیش آیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ممکن ہے یہی پس منظر ہو۔ آپ نے بتایا کہ شکست کا اس پہاڑ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس کے بعد شہدا کا قبرستان دیکھا۔ دعا کے لیے بے اختیار ہاتھ اٹھ گئے۔ مسجد قبلتین پہنچے جہاں تحویل قبلہ کے حکم کے بعد نماز کا رخ بدل دیا گیا تھا۔ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جا رہی تھی۔ اسی حالت میں کعبہ کی طرف رخ کر لیا گیا۔ مسجد قبا دیکھی جس کی تعریف میں قرآن نے کہا ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى	جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی
مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ	ہے وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے
فِيْهِ، فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ	کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے
اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ	ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک
الْمُطَّهِّرِيْنَ	رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار
(التوبہ: ۱۰۸)	کرنے والے ہی پسند ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت مدینہ پہنچنے سے پہلے اس میں نماز ادا کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں: ہر شنبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پیدل اور کبھی سواری پر اس مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے (بخاری و مسلم) وہاں دو رکعت نماز

ادا کرنے کی توفیق ملی۔ آگے بڑھ کر بیر (کنواں) سلمان انفارسی دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے یہاں کھجور کا ایک درخت لگایا گیا تھا جو صدیوں باقی رہا۔ کعب بن اشرف یہودی کا قلعہ عبرت کے ساتھ دیکھا۔ جبل محروق کے قریب سے گزرے خندق کے نشانات تو محفوظ نہیں ہیں البتہ سبع مساجد جو مختلف صحابہ کرام کے نام سے موسوم ہیں، موجود ہیں۔ انھیں دیکھنے کا موقع ملا۔ چار پانچ گھنٹے کے سفر سے واپسی ہوئی۔ تھوڑی دیر آرام کیا، ناشتے اور غسل سے فارغ ہوئے اور جمعہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد روضۂ مبارک پر حاضری دی۔ باچشم تر سلام عرض کیا۔ کتنی بڑی سعادت ہے کہ ہر امتی کا سلام شاہِ دوعالم کی خدمت میں پیش ہوتا رہتا ہے۔ توقع ہے ہم جیسے گناہ گار بھی اس سعادت سے محروم نہ ہوں گے۔ میرا سلام بھی ضرور پہنچا ہوگا۔ اللھم صل علی محمد وبارك وسلم کئی دن کی کوشش کے بعد آج روضۃ الجنۃ میں دو رکعت ادا کرنے کی سعادت ملی۔

مابین بیتی ومنبری روضۃ	میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا
من ریاض الجنۃ، ومنبری	حصہ جنت کے باغات میں سے ایک
علی حوضی (بخاری ومسلم)	باغ ہے اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے۔

جس حصۂ زمین پر صبح وشام خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑتے رہے ہوں۔ جہاں جبینِ مبارک خدا کے دربار میں سجدہ ریز رہی ہو وہ یقیناً جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کچھ بعید نہیں یہ ٹکڑا جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہو گو وہ دیکھنے میں عام زمین ہی کی طرح ہے۔ جس خدائے رحیم وکریم نے جنت کے اس حصہ پر سجدہ کرنے کی توفیق دی۔ توقع ہے کہ اپنے فضلِ خاص سے آخرت میں بھی اسے جنت سے سرفراز فرمائے گا۔ حرم میں یہ جو وقت گزرا اس میں رفیق محترم نذیر احمد صاحب ساتھ تھے۔ ڈاکٹر کلیم الرحمٰن صاحب کی اہلیہ اور میری اہلیہ بھی جمعہ کے لیے گئیں اور اس احساس کے ساتھ بعد عصر واپس ہوئیں کہ حرم نبوی میں جو لمحات بھی گزر جائیں وہ زندگی کے قیمتی لمحات ہیں۔

آج ۸ راپریل ذی قعدہ کی آخری تاریخ ہے اور مدینہ منورہ کی آمد پر آٹھ دن گزر چکے ہیں۔ نواں دن شروع ہو چکا ہے۔ فجر، ظہر، عصر، ہم دونوں کی حرم میں ادا ہوئی۔

عبدالرزاق صاحب اور ان کے بھتیجے خالد صاحب ساتھ تھے۔ آج ہی دوبارہ مکہ روانگی ہے۔ دعا کی۔ اس طرح دعا کی جس طرح ایک غافل انسان دعا کرتا ہے لیکن اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے جب یہاں پہنچایا ہے تو توقع ہے کہ اپنے فضل وکرم سے بے جان الفاظ میں جان بھی ڈال دے گا اور ایک غافل انسان کی دعائیں بھی قبول کرے گا۔ صلوٰۃ وسلام ہو اس مقدس ہستی پر اور اس کے ساتھیوں پر جس کے صدقے میں ایمان واسلام کی دولت ملی۔ خدایا بار بار حاضری کا موقع عنایت فرما۔ جی نہ بھرا ہے نہ بھر سکتا ہے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران جامعہ مدینہ منورہ کے بعض ہندوستانی طلبا اور ریسرچ اسکالرس سے دو بار تفصیلی ملاقات رہی۔ وقت کے علمی اور فکری مسائل اور ان کے تقاضوں کی طرف توجہ دلائی گئی۔ فقہی اختلافات میں صحیح نقطہ نظر واضح کیا گیا اور مسلکِ سلف پر بھی گفتگو رہی۔

بعض اور احباب اسی طرح کے موضوعات پر گفتگو کے لیے جدہ سے مکہ مکرمہ پہونچے اور میری گزارشات ٹیپ کیں۔

مدینہ سے واپسی

۸ را پریل بعد عصر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانگی ہوئی۔ عارف الحق صاحب اور عبدالرزاق صاحب نے رخصت کے لیے بس اڈے پہنچایا لیکن غیر معمولی تاخیر ہوتی رہی مغرب وعشاء وہیں ادا کی۔ رشب میں آٹھ بجے کے قریب بس روانہ ہوئی۔ اتنی دیر تک ان دونوں رفیقوں کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ مدینہ کے راستے سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے میقات ذوالحلیفہ ہے۔ میقات کی تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

یہل اھل المدینۃ من ذی الحلیفہ	اہل مدینہ (حج اور عمرہ کے لیے) ذوالحلیفہ
واھل الشام من الجحفۃ واھل نجد	سے تلبیہ پڑھیں گے اہل شام جُحفہ سے،
من قرن، ویہل اھل یمن من یلملم	اہل نجد قرن منازل سے اور اہل یمن
(بخاری، کتاب الحج، باب میقات اہل المدینۃ، مسلم)	یلملم سے۔

کتاب الحج، باب مواقیت الحج والعمرہ ۔ مزید روایات
بخاری و مسلم میں دیکھی جا سکتی ہیں ۔

تلبیہ کے الفاظ ہیں :

لبيك اللهم لبيك، لبيك لا	میں حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا
شريك لك ان الحمد و	کوئی شریک نہیں بے شک فضل و احسان
النعمة لك والملك لاشريك لك	تیرا ہی ہے، سلطنت و اقتدار تیرا ہی ہے
(حوالہ سابق، باب التلبیہ)	تیرا کوئی شریک نہیں ۔

ہند و پاک کے لوگوں کے لیے میقات یلملم ہے ۔ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے آٹھ دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے تقریباً بیس منٹ میں بس میقات پر پہنچ گئی ۔ یہاں زایرین کے لیے بڑے ہی نفیس اور عمدہ انتظامات ہیں ۔ صاف ستھری اور وسیع مسجد، جدید قسم کے غسل خانے، غسل اور وضو کے لیے گرم اور ٹھنڈا پانی ۔ بہت کچھ موجود ہے ۔ لیکن ناواقفیت کی وجہ سے بعض لوگ پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا پاتے ۔ ہماری بس سڑک کے کنارے رکی ۔ میقات پر وضو اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے احرام باندھا اور ہم دونوں باہر آئے تو بس اپنی جگہ پر نہیں تھی ۔ بعض لوگوں نے تلاش میں مدد دی لیکن بس نہیں ملی ۔ کافی دیر پریشان رہے ½۹ کے بعد بس ملی ۔ غالباً اس کی جگہ بدل گئی تھی ۔ ۱۲ بجے ایک جگہ بس رکی تو اس طرح رکی کہ ڈرائیور صاحب کا پتہ ہی نہ چلا ۔ کہیں آرام فرما رہے تھے ۔ اب ڈھائی بج چکے تھے ۔ مسافر سخت پریشان تھے ۔ ڈرائیور صاحب تشریف لائے ۔ مسافروں نے ناگواری کا اظہار کیا ۔ لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا ۔ تین بجے کے قریب بس چلی ۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز فجر کے لیے رک گئی ۔ اس طرح ۹ راپریل کو ½۸ بجے کے قریب مکہ مکرمہ پہنچے ۔ معلم کی ٹیکسی نے ڈاکٹر محمد آصف علی کے گھر پہنچا دیا ۔ تکان اتنی زیادہ تھی کہ عمرے کی ہمت نہیں ہوئی ۔

۱۰ راپریل ۲ رذی الحجہ کو ہم دونوں نے حرم میں نماز فجر پڑھی ۔ اس کے بعد عمرہ ادا کیا ۔ ہجوم کی وجہ سے کافی وقت لگا ۔ شکلاً ہر رکن ادا ہو رہا ہے لیکن روح اور جذبے سے خالی ہے ۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تحت بظاہر جو دوڑ دھوپ ہو رہی ہے اسے وہ روح سے بھر دے اور اپنے فضل خاص سے قبول فرمائے ۔

آج ۱۵ر اپریل اور ۸رذی الحجہ ہے۔ اب ایام حج شروع ہو چکے ہیں۔ ہمارا حج معلّم کے ساتھ نہیں ہے۔ برادرم جناب ارشد سراج الدین صاحب کچھ افراد کے ساتھ حج کرتے ہیں۔ اب کی بار چالیس سے زاید افراد کا انھوں نے نظم کیا تھا۔ دوستوں نے طے کیا کہ ہمارا حج بھی اسی قافلے کے ساتھ ہو۔ قافلہ کے بیشتر افراد صبح منیٰ پہنچ گئے۔ ہمارا پروگرام بھی سویرے ہی پہنچنے کا تھا لیکن بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے ارشد سراج الدین صاحب پانچ سات افراد کو جن میں ہم دونوں بھی شامل تھے ۱۲ بجے لے کر روانہ ہوئے۔ ہماری گاڑی جب منیٰ کی طرف روانہ ہوئی تو ہم نے دور ہی سے دیکھا کہ منیٰ میں زبردست آگ لگی ہوئی ہے۔ دھواں بادل کی طرح اٹھ کر افق پر چھا رہا ہے۔ جب ہم منیٰ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ احتیاطاً راستے بند کر دیے گئے ہیں۔ ہم لوگ مجبوراً پانچ بجے تک ایک جگہ رکے رہے۔ اس کے بعد منیٰ پہنچے۔ اس وقت تک آگ بجھ چکی تھی اور نئے انتظامات ہو رہے تھے۔ ہمارا کیمپ جائے حادثہ سے دور اور جمرات کے قریب تھا۔ الحمدللہ کیمپ کے لوگوں کا جانی اور مالی کوئی نقصان نہیں ہوا۔

منیٰ میں آگ لگنے کے چھوٹے موٹے واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن حالیہ برسوں میں غالباً یہ سب سے بڑا حادثہ ہے جس میں ستّر اسّی ہزار خیمے جل کر راکھ ہو گئے۔ سینکڑوں افراد جاں بحق ہو گئے جن میں زیادہ تر کا تعلق ہندوستان، پاکستان اور ایران سے بتایا جاتا ہے۔ بدحواسی، پریشانی اور جان بچانے کی فکر کی یہ کیفیت بیان کی جاتی ہے کہ بہت سے لوگوں کو راستہ ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کدھر بھاگیں۔ کچھ لوگ پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ لوگ حرم کی طرف بھاگ رہے تھے اور کچھ لوگ مخالف سمت میں جا رہے تھے۔ مال و اسباب کے نقصان کا اندازہ نہیں کیا جا سکا اور شاید اس کا اندازہ کرنا مشکل بھی تھا۔ یہ آگ کیسے لگی؟ کہاں سے شروع ہوئی۔ کہاں تک پھیلی؟ اس میں کس کی بے احتیاطی کا دخل ہے؟ اس پر بروقت کنٹرول کیا جا سکتا تھا یا نہیں؟ اس پر بہت بحث ہو چکی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی اور اس کے اسباب تلاش کیے جاتے رہیں گے لیکن منیٰ اور عرفات میں جہاں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے۔ غالباً اب کی بار بیس لاکھ کا مجمع تھا۔ بعض باتیں قابل غور معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو خیمے فائر پروف ہونے چاہئیں۔ اس کے باوجود آگ لگنے کا امکان ہے۔ اس کے لیے آگ بجھانے کا معقول

انتظام بڑے بڑے خیموں میں ضرور ہونا چاہیے۔ خیمے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ وقتِ ضرورت آدمی نکل کر بھاگنا چاہے تو بھی بھاگ نہیں سکتا۔ ان کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے دوسرے یہ کہ منیٰ اور عرفات میں حکومت کے عملے اور مہمانوں کے لیے مخصوص کیمپ نہ ہوں۔ اس سے جگہ بہت گھرتی ہے۔ جس طرح مسجد میں لوگ چھوٹے بڑے کے فرق کے بغیر نماز ادا کرتے ہیں اسی طرح انھیں بھی مناسک حج ادا کرنے چاہئیں۔ تیسرے یہ کہ منیٰ اور عرفات میں گیس سلنڈر، اسٹو یا کوئی بھی آتش گیر مادہ لے جانے کی ممانعت ہونی چاہیے اور تیار کھانا فراہم کیا جانا چاہیے۔ حجاج کو بھی حج کے زمانے میں اس طرح کا کھانا چاہے وہ ان کے ذوق کے مطابق نہ ہو گوارا کرنا چاہیے۔

رات منیٰ میں گزری۔ منیٰ میں نمازیں قصر پڑھی جاتی ہیں۔ اس حادثہ اور اس کے نتیجے میں جو دوڑ بھاگ ہوئی اس میں نماز، ذکر و فکر اور عبادت کا کوئی اہتمام نہیں ہو سکا۔ جگہ کی شدید کمی بھی ایک رکاوٹ تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے یہ مبارک رات ضائع گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور محض منیٰ میں قیام کی برکت سے اپنے کرم سے نوازے۔

۱۶/اپریل/۹/ ذی الحجہ۔ آج یوم عرفہ ہے۔ عرفہ اصل حج ہے۔ یہاں کا قیام چاہے وہ تھوڑے ہی سے وقت کے لیے کیوں نہ ہو ضروری ہے۔ اگر یہاں بالکل قیام نہ کیا جا سکے تو حج ہی نہ ہوگا۔ صبح ہی سے منیٰ سے عرفہ روانگی شروع ہو جاتی ہے۔ ہم لوگ کسی قدر تاخیر سے سوا نو بجے روانہ ہو سکے۔ ٹریفک کی وجہ سے دو گھنٹے میں میدان عرفہ پہنچے لیکن برادرم ارشد صاحب اور ڈرائیور دونوں ہی راستہ بھول گئے۔ بالآخر ایک بجے کے قریب سخت گرمی میں ہم لوگ خیمے میں پہنچے۔ عرفات میں امام کا خطبہ نہ سن سکے۔ نماز ظہر اور عصر ایک ساتھ اور قصر ادا کی یہی مسنون ہے۔ نماز کے بعد تلاوت اور دعا میں لگے رہے۔ بیس لاکھ کا مجمع اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعاؤں میں مصروف ہے کہیں کہیں اجتماعی دعائیں بھی ہو رہی تھیں۔ بعض اوقات لوگ دعاؤں کی کوئی کتاب لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک شخص پڑھتا جاتا ہے اور دوسرے سن کر آمین کہتے رہتے ہیں۔ ایسے مواقع پر دیکھنے میں یہ آیا کہ کچھ لوگ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ الگ سے اپنی دعاؤں میں لگ جاتے ہیں کچھ لوگ بے دلی سے ہاتھ اٹھائے رہتے ہیں۔ یہ اجتماعی دعائیں فطری طور پر اس تاثر سے خالی معلوم ہو رہی تھیں جو انفرادی دعاؤں میں پایا جاتا ہے۔ بہت سے اللہ کے بندے

نہایت عجز و انکسار کے ساتھ خدا کے دربار میں ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے کرم سے توقع ہے کہ ہم جیسے گنہ گاروں کی دعاؤں کو بھی شرفِ قبولیت حاصل ہوگا۔

دعا اپنے دین و ایمان کے لیے کی۔ پورے سفر میں کوئی خاص وقت ایسا نہیں گزرا جس میں اپنے مرحوم والدین کے لیے دعا نہ کی ہو۔ ان ہی کے لطف و محبت اور ایثار و قربانی کے نتیجے میں علم دین کی توفیق اور ٹوٹی پھوٹی خدمت دین کی سعادت ملی۔ افسوس ہے کہ جب تک وہ حیات رہے ان کا حق ادا نہ ہوا اور ان کی خدمت نہ کی جاسکی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوتاہی کی تلافی کے لیے فرمایا: "والدین کے انتقال کے بعد ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کی جاتی رہے۔ اپنے بچوں کے لیے دعا کی۔ ان سب کے لیے دعا کی جنھوں نے محض حسن ظن کی بنا پر دعا کی درخواست کی تھی۔ اپنے ماضی کی طرف دیکھتا ہوں اور زندگی جس طرح گزری اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو شدید احساس ہوتا ہے کہ بڑا حصہ غفلت کی نذر ہو گیا۔ دعا ہے کہ جو حصہ رہ گیا ہے اس میں اس کی تلافی کی توفیق دے۔ اللہ کا کرم ہے کہ شروع ہی سے دلچسپی دین کے مطالعہ سے رہی اور دینی مضامین لکھنے کی توفیق ملی۔ اس جوش میں بہت سے موضوعات چھیڑ رکھے ہیں۔ اپنی سست رفتاری کی وجہ سے ان کی تکمیل بظاہر بڑا وقت چاہتی ہے۔ دعا ہے اور یہی دعا عرفات میں، منیٰ میں، مزدلفہ میں اور خدا کے گھر میں بیٹھ کر کی کہ میرے اوقات میں برکت دے اور نامکمل کاموں کی تکمیل کی قوت و صلاحیت عطا فرمائے۔ قلم اور زبان کو بے راہ روی اور لغزشوں سے بچائے رکھے۔ جب تک جسم و جان کا رشتہ باقی ہے زندگی اس کے دین کی راہ میں صرف ہو۔ وہ دن نہ آنے پائے جب دنیا مقصود بن جائے اور اس کے لیے زبان و قلم حرکت کرنے لگیں۔

میں نے دیکھا کہ اہلیہ کو مجھ سے زیادہ توجہ اور یکسوئی حاصل ہے۔ وہ درد و سوز کے ساتھ دعاؤں میں لگی رہتی ہیں۔ میں نے کہا دعا میرے لیے بھی کرتی ہو یا نہیں؟ کہا کرتی ہوں۔ میں نے کہا کیا کرتی ہو؟ کہا جو دعا کرنی ہے وہ کرتی ہوں یہ نہ پوچھئے کہ کیا کرتی ہوں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ بات پوچھنے کی ہے بھی نہیں۔ عرفات میں کیمپ کے لوگوں کی خواہش پر آدھا گھنٹہ خطاب رہا۔ اس میں حج کی اہمیت، معنویت اور یوم عرفہ کی فضیلت پر اظہارِ خیال کیا۔

مغرب سے پہلے ہی مزدلفہ روانگی کی تیاری شروع ہوگئی۔ ۶½ بجے ہم لوگ بس میں سوار ہوئے لیکن ٹریفک کی وجہ سے راستہ جام تھا۔ زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے کا راستہ تقریباً تین گھنٹے میں طے ہوا۔ ہم لوگ پونے دس بجے مزدلفہ پہنچے۔ مغرب اور عشاء کی نماز ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ پڑھی۔ مزدلفہ میں دونوں نمازیں جمع کی جاتی ہیں اور قصر پڑھی جاتی ہیں۔ حسب توفیق عبادت اور دعائیں لگے رہے۔

۱۷ ؍اپریل ؍۱۰ ؍ذی الحجہ۔ نماز فجر کے فوراً بعد پھر منیٰ کے لیے روانگی شروع ہوگئی۔ جلد ہی منیٰ پہنچ گئے۔ ہمارا خیمہ جمرات سے قریب ہے۔ اس کے باوجود سڑک سے جمرات تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ دو سو سے کم نہیں ہوں گی پھر بھی ہمت کی۔ کیمپ کے دو ایک ساتھیوں کے ساتھ جمرات پہنچے اور رمی کا فرض ادا کیا۔ اہلیہ کی طرف سے بھی رمی کی۔ واپسی پر تکان کا احساس ہوا۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد حلق کرایا۔ قربانی کا نظم ارشد سراج الدین صاحب نے کیا۔ نمازیں خیمہ ہی میں ادا ہوتی رہیں۔

۱۸ ؍اپریل ۱۱ ؍ذی الحجہ جمعہ کا دن ہے۔ منیٰ سے لوگ جوق در جوق نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے حرم جا رہے ہیں۔ سنا ہے کہ دس لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ میرا بھی بہت جی چاہ رہا تھا کہ نماز جمعہ حرم میں ادا ہو۔ لیکن ٹریفک کی وجہ سے اور مناسب سواری کے نہ ملنے کی وجہ سے یہ خواہش نہ پوری ہو سکی۔ البتہ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ایک دوست کے ساتھ میں نے اور اہلیہ نے تینوں جمرات پر بڑے اطمینان کے ساتھ اور قریب سے رمی کی اہلیہ کی یہ خواہش بھی اللہ نے پوری کر دی۔ مسجد حرام سے لوگ واپس نہیں ہوئے تھے اس لیے اژدحام کم تھا۔

۱۹ ؍اپریل ۱۲ ؍ذی الحجہ۔ آج نماز فجر کے فوراً بعد ہم دونوں افاضہ کے لیے حرم پہنچے ہجوم کے باوجود طواف کی جگہ مل گئی۔ سعی میں بھی کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد مسجد حرام میں تھوڑی دیر بیٹھے۔ خدا کے اس گھر کو دیکھتے رہے۔ کیا شان ہے اس گھر کی۔ اس کے بیان کے لیے الفاظ کہاں سے لائے جائیں۔

مطاف ہی کے اندر خاص طور پر مقام ابراہیم کے پاس طواف کی سنتیں اور نوافل پڑھنے لگتے ہیں۔ اس وجہ سے طواف میں بعض اوقات سخت زحمت پیش آتی ہے لوگوں کو زحمت سے بچانے کے ارادہ سے اگر سنن و نوافل مطاف سے ہٹ کر

حرم میں کسی بھی جگہ ادا کر لیے جائیں تو انشاء اللہ ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ مطاف اتنا وسیع ہے کہ یہ رکاوٹ نہ ہو تو ہزاروں افراد بیک وقت آسانی سے طواف کر سکتے ہیں۔

آج جمرات پر بے پناہ ہجوم تھا۔ جلد واپسی کے ارادے سے لوگ زوال سے پہلے ہی جمرات کے قریب جمع ہونے لگے۔ تاکہ جیسے ہی زوال کا وقت ہو، رمی کر سکیں میں نے دو ایک ساتھیوں کے ساتھ ہمت کی۔ مجمع کی وجہ سے ایک جگہ سخت زحمت ہوئی۔ لیکن جمرات تک پہنچا اور اپنی طرف سے اور اہلیہ کی طرف سے رمی کی۔ آج کی رمی بلاشبہ تھکا دینے والی تھی۔ اس طرح مناسک حج اب پورے ہو چکے۔ چار بجے واپسی ہوئی شارع منصور میں چند گھنٹے قیام کے بعد ہم لوگ شب میں گیارہ بجے ڈاکٹر محمد آصف صاحب کے ہاں پہنچے۔

ڈاکٹر محمد آصف علی صاحب اور ڈاکٹر رفیعہ صاحبہ نے اس سفر میں دس گیارہ روز تک اس قدر خلوص اور محبت سے رکھا اور میزبانی کی کہ دل سے دعائیں نکلتیں۔ حالانکہ ان کے بعض اعزا بھی حج کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ان کے دو ایک دوست بھی اچانک پہنچ گئے۔ سب کے لیے انھوں نے جگہ نکالی۔ اپنی مصروفیت کے باوجود جس طرح مہمانوں کی ضروریات اور ان کی آسائش کا یہ دونوں خیال کرتے تھے۔ وہ قابل رشک تھا۔

۲۳ اپریل کی شام سے ۲۸ اپریل کی شام تک جدہ میں برادرم جلیل اصغر صاحب کے یہاں قیام رہا۔

جلیل اصغر صاحب سے علی گڑھ ہی سے ایک طرح کی بے تکلفی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کا گھر اپنا گھر محسوس ہوا۔ ان کی اہلیہ اور بچوں نے ہم لوگوں کی آسائش کا بہت خیال رکھا۔ اس مدت میں جدہ کے بہت سے دوستوں سے برادرم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب۔ جناب سید یوسف ہاشمی صاحب، جناب عبدالقادر صاحب، جناب عبدالعلیم خاں فلکی صاحب۔ ڈاکٹر منظور احمد صاحب، سعید شبیبی صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں اور ازراہِ محبت دعوتوں کا طویل سلسلہ رہا۔ بعض اوقات خاصے احباب جمع ہو جاتے تھے۔ ان کے درمیان قرآن کا درس دینے، یا کسی دینی موضوع پر اظہار خیال کا موقع بھی ملتا رہا۔ اس طرح یہ ملاقاتیں بحمداللہ دینی ملاقاتیں رہیں۔ ۲۵ اپریل کو ایک ہوٹل میں عید ملن کا پروگرام تھا۔ کافی ہندوستانی رفقاء اور احباب جمع تھے۔ اس وقت دوستوں کو ان کی

دینی ذمہ داریاں یاد دلائی گئیں۔

۲۵ / اپریل کو سعودی گزٹ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر عرفان اقبال خاں صاحب انٹرویو کے لیے پہنچ گئے۔ وقت کی کمی کے باعث انٹرویو نامکمل رہا تو وہ دوبارہ ۲۷ / اپریل کو انھوں نے زحمت کی۔ انٹرویو کا تعلق خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں اور ان کے مسائل سے تھا۔ ۵ / مئی کو یہ انٹرویو سعودی گزٹ میں شائع ہوا بعد میں یہ ہفت روزہ ریڈینس دہلی میں بھی چھپا۔ اسی دوران میں عطاء اللہ صاحب اور مولوی محمد صدیق عمری مدنی کے ساتھ مکتبہ المامون جانا ہوا۔ یہاں عربی کتابوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ بعض ان کتابوں کے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا جن کا اب تک صرف نام سن رکھا تھا۔ بعض کتابوں کی قیمتیں بھی نوٹ کیں۔

۲۸ / مئی / ۲۱ / ذی الحجہ کو ہم دونوں جلیل اصغر صاحب کے ساتھ دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچے۔ اب کی بار زیادہ تر قیام برادرم محمد اسماعیل صاحب، شیخ حیدر صاحب اور تمیز الدین صاحب کے یہاں رہا۔ یہ قیام ایک ہفتے کا تھا۔ اس دوران میں کئی مرتبہ طواف کی سعادت حاصل ہوئی۔ دو ایک مرتبہ تکان کا احساس ہوا تو اہلیہ نے ہمت دلائی کہ اس مبارک موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تکان ہو تو برداشت کی جائے۔ ایک مرتبہ مسجد تنعیم سے احرام باندھا اور مزید ایک عمرہ کیا۔

ایک روز ارشد سراج الدین صاحب کے ساتھ جامعہ ام القریٰ جانا ہوا۔ بعض دوستوں سے ملاقات رہی۔ ڈاکٹر طلعت سلطان صاحب کی تعلیمات پر بڑی اچھی نظر ہے۔ دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ انھوں نے اپنی بعض انگریزی مطبوعات سے بھی نوازا۔

جامعہ کی لائبریری میں بھی تھوڑی دیر کے لیے جانا ہوا۔ جناب اکرم سبزواری صاحب سے ملاقات رہی۔ اس عرصہ میں کئی روز مکہ مکرمہ کے بعض مکتبوں میں جانا ہوا۔ جناب ارشد سراج الدین صاحب کی معیت میں بعض ضروری کتابیں خریدیں۔

ہمارا پاسپورٹ حسب ضابطہ معلم کے پاس تھا۔ جناب تمیز الدین صاحب کی کوشش سے اور ان کے ایک عرب دوست کی ضمانت پر واپس ملا۔ اس طرح اس سلسلہ کی پریشانیوں سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ ایک ہفتے کے قیام کے بعد ۶ / مئی ۹۵ء ۲۹ / ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ مکہ مکرمہ سے روانگی کا پروگرام ہے۔ ظہر کی نماز حرم میں پڑھی، طواف وداع

کیا۔ بار بار خدا کے گھر کو دیکھا۔ ان پروانوں کو دیکھا جو اس کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ یہ احساس دل و دماغ پر چھا گیا کہ حج جیسی مقدس عبادت کا حق نہ ادا ہوا۔ جس طرح حج ہونا چاہیے، نہ ہوسکا۔ اس مقدس شہر کا صحیح معنی میں احترام بھی باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے اور بار بار اس گھر کی زیارت کی سعادت نصیب فرمائے۔

جناب تمیز الدین صاحب کے ساتھ بعد مغرب جدہ روانہ ہوئے اور عشاء کے وقت جدہ پہنچے۔ قیام حسب سابق جلیل اصغر صاحب کے ہاں رہا۔ یہاں پہنچتے ہی دوستوں سے ملاقاتوں اور ضیافتوں کا سلسلہ خاص طور پر بعد عشاء شروع ہوگیا۔ ایک دن خواتین بھی جمع ہوئیں۔ دیر تک ان کے سامنے دین کے تقاضے واضح کیے جاتے رہے۔

اس عرصے میں جناب لیئق اللہ صاحب اور محمد عاشق صاحب ریڈیو انٹرویو کے لیے آگئے۔ لیئق اللہ صاحب کا تعلق میرٹھ سے ہے۔ عاشق صاحب رام پور کے رہنے والے ہیں۔ رام پور میرے لیے وطن کی حیثیت رکھتا ہے۔ میرا عنفوان شباب وہاں گزرا ہے۔ بڑی قربت محسوس ہوئی۔ ان حضرات نے جو انٹرویو لیا تھا اس کی پہلی قسط ۹ رمئی مطابق ۲ رمحرم ۱۴۱۸ھ بروز جمعہ چار بجے شام کو اور دوسری قسط دوسرے جمعہ کو اسی وقت نشر ہوئی۔ لیئق اللہ صاحب نے اردو نیوز کے لیے ایک طویل انٹرویو لیا تھا۔ یہ دو قسطوں میں شائع ہوا۔

ایک روز مولوی حبیب اللہ عمری سے بیس پچیس برس بعد ملاقات ہوئی۔ وہ استاذ محترم مولانا ابو البیان حماد صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ میں بھی انھیں بھائی سمجھتا ہوں۔ وہ جدہ ریڈیو سے متعلق ہیں۔ اپنے گھر لے گئے۔ ماضی کی بہت سی یادیں تازہ ہوگئیں۔

واپسی

ایک ہفتہ جدہ میں گزرا۔ بڑی اچھی صحبتیں رہیں۔ ریاض کے دوستوں نے بھی چاہا کہ دو ایک دن کے لیے میں ریاض پہنچ جاؤں۔ لیکن چونکہ میں حج ویزا پر تھا اس لیے حرمین اور جدہ کے علاوہ کہیں نہیں جاسکتا تھا۔

جدہ میں پورے ایک ہفتہ قیام کے بعد ۱۳ رمئی کو روانگی تھی۔ ۱۲ رکی شب میں جناب تمیز الدین صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ ملاقات اور رخصت کرنے آگئے۔ کچھ دیر رہے۔ ایک بجے شب میں ان کی واپسی ہوئی۔

ہمارا ٹکٹ سعودیہ کا تھا۔ صبح سات بجے فلائٹ تھی۔ اس کے لیے چار بجے جلیل اصغر صاحب کے ساتھ ایر پورٹ پہنچ گئے۔ ضابطہ کی کارروائیوں آسانی کے ساتھ ہوگئیں۔ جہاز کچھ تاخیر سے روانہ ہوا۔ ریاض ایک گھنٹے سے زیادہ رکا۔ ریاض سے جب ہم دہلی ایر پورٹ پر پہنچے تو یہاں شام کے چار بجے تھے۔ بچے علی گڑھ اور دہلی سے ایر پورٹ پہنچ گئے تھے۔ ساڑھے چھ بجے ڈاکٹر رفعت کے گھر پہنچا۔ دو روز قیام کے بعد علی گڑھ لوٹا۔ اس طرح یہ مبارک سفر ختم ہوا۔ پھر وہی شب و روز شروع ہوگئے جو پہلے سے چلے آرہے تھے۔

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی نے اپنی اردو اور انگریزی مطبوعات کے علاوہ دیگر اہم مکتبوں کی بلند پایہ علمی و دینی کتب کی فراہمی کا انتظام کیا ہے۔ تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام سے متعلق چند اہم کتب کی فہرست دی جارہی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب بھی یہاں سے فراہم کی جاسکتی ہیں۔ منیجر

فی ظلال القرآن دوم	۱۲۵/-	تدوین حدیث (مولانا مناظر احسن گیلانی)	۱۱۰/-
〃 سوم	۱۶۰/-	تاریخ الخلفاء (امام سیوطی)	۷۵/-
〃 پارہ عم	۹۰/-	مقدمہ ابن خلدون ۲ جلدیں	۱۵۰/-
تفہیم القرآن مکمل ۶ جلدیں	۷۰۰/-	سیرت النبی (ابن ہشام) ۲ جلدیں	۲۲۵/-
تلخیص تفہیم القرآن	۱۷۵/-	رحمۃ للعالمین	۱۴۰/-
ترجمۂ قرآن (مختصر حواشی)	۱۲۵/-	سیرت سرور عالم مولانا مودودیؒ اول و دوم	۱۹۵/-
تفسیر ابن کثیر مکمل	۵۲۵/-	الفاروق	۳۰/-
بخاری شریف مکمل (مترجم)	۵۸۵/-	حیات ابو حنیفہ (ابو زہرہ مصری)	۸۵/-
مسلم شریف 〃 〃	۵۰۰/-	رسول رحمت (ابو الکلام آزاد)	۱۲۵/-
تفسیر ماجدی اول	۳۰۰/-	انبیاء کرام 〃	۴۰/-
ابو داؤد شریف ۳ جلدیں	۳۴۰/-	محمد رسول اللہ (توفیق الحکیم)	۵۰/-
تذکرہ علماء بہار	۱۵۰/	تاریخ افکار و علوم اسلامی اول و دوم	۷۰/-
سنن نسائی	۳۲۵/-	سیرت النبی (علامہ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی) مکمل	۶۰۰/-

پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲